Vol. 5No.3 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

# علامتی و تجریدی افسانے میں طنزیہ و مزاحیہ عناصر

## (Elements of Satire and Humer in symbolic and abstractionist short stories)

**رخسانہ غفار**

پی ایچ۔ڈی اسکالر اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

**ڈاکٹر ریحانہ کوثر**

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

## ABSTRACT

*Satire in a literary term in the history of Urdu Literature. Today, the history of Urdu literature is incomplete without satire and humour. Satirist aims to reform society through his satirical writings and sometimes he uses humour to reduce the pungency of satire. In Urdu Literature, generally the difference between these two terms (satire and humour) is not considered, the purpose of humour is to create a new hope in our life, by making the bitter realities of life seem amusing. The use of satire and humour is found in different genres of literature, Other than Essay-writing. Its' use is found in short story. The elements of humour and satire are, present in symbolic and abstractionistic short stories as well as in romantic and modern short stories symbol is a mode of expression. Keeping in view the changing times and accordingly its requirements new symbols have been invented, in past, like weas the same tool was used in different ages. Symbolism gained place in literature after the decline of socialism. In this article the elements of humour and satire in the work of symbolic and abstractionistic short story writers have been scrutinized. Through his stories, he has neither tried to ridicule anyone nor is his aim to ridicule. As a symbolic novelist, he has a lower level in satire. It happens that the purpose of satire is corrective in the way they seem to pay attention to the situation and routine of Karachi city in a satirical manner. No attempt to create. In a very subtle way, he has made the bitterness of life bearable and this is the main virtue of his satire.*

**Keywords:** Satirscal writing, Urdu Literature, Essay writing, symbolic, abstractionistic, corrective, satirical manner

ادب نہ صرف زندگی کا ترجمان ہے بلکہ اس پر تنقید کا فریضہ بھی سر انجام دیتا ہے۔ زندگی کی الجھنوں، مشکلات اور اس کے ارتقاء و زوال کی داستان کو حقیقت پسندانہ انداز میں بیان کرنے کے لیے ہر فنکار ایک خاص ذہنی رویہ اپناتا ہے جب بھی کوئی حادثہ کسی ادیب کے ذہن پر خاص طریقہ کے اثرات مرتب کرتا ہے تو وہ ادیب اس واقعہ کے بیان میں اپنی تمام ذہنی و فکری صلاحیتیں بروئے کار لاتا ہے۔ جب بھی کوئی ادیب سماجی و معاشرتی تبدیلیوں پر اعتراض کرتا ہے یا تنقیدی نقطہ نظر اختیار کرتا ہے تو اس کا مقصد معاشرے کی اصلاح ہے۔ لیکن جب ادیب ذاتی ناپسندیدگی اور اختلاف کی بنا پر کسی شخص یا معاشرتی رویے پر تنقید کرتا ہے تو اس کے انداز بیان میں طنز کی گہری شکل بھی نمودار ہو جاتی ہے۔ اس لیے یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ فرد، سماج اور فطرت کے غیر مناسب پہلوؤں پر تنقید میں طنز کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔

دیگر اصناف ادب کی طرح طنز و مزاح میں حد بندی کا تعین کرنا آسان کام نہیں ہے طنز و مزاح بظاہر مختلف ہونے کے ایک دوسرے سے ہم رشتہ ہیں۔ طنز کا فن گہرے سماجی و معاشی شعور کا حامل ہوتا ہے طنز میں تلخی کی شدت، برہمی اور نفرت کی لے شدید ہوتی ہے۔ طنز نگار سماج کے بدلتے معیاروں اور

Vol. 5No.3 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

ارتقاء کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ اپنے گردو پیش کے ناسوروں، معاشرے میں تیزی سے بڑھتی ہوئی برائیوں اور خباثتوں پر واضح انداز میں وار کرتا ہے اور اس کے یہ کاٹ دار وار عموماً خالی نہیں جاتے۔ طنز کی تلخی اور ترشی کو کم کرنے کے لیے عام طور پر مزاح کی چاشنی کا سہارا لیا جاتا ہے۔

مزاح کا مقصد صرف تفریح اور ہنسنا ہنسانا ہے مزاح نگار جس چیز پر ہنستا ہے اس سے محبت بھی کرتا ہے مزاح میں ہمدردی، شفقت اور پیار کا جذبہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ افراد میں پھیلی بے چینی اور مایوسی کو ختم کرنے کے لیے مزاح سب سے موثر حربہ ہے سماج میں پھیلی ہوئی خباثتوں کو ختم کرنے کے لیے صرف طنز کے نشتر کافی نہیں اس کے لیے مزاح جیسے اسلحہ کا استعمال بھی ضروری ہے۔ سنجیدہ فکر انگیز ادب میں طنز و مزاح کا درجہ بہت بلند ہے اس لیے کہ تاثر طنزیہ ادب میں پایا جاتا ہے ادب کی دیگر اصناف میں نہیں ملتا۔ بقول پروفیسر احتشام حسین :

"مفکرانہ ادب میں طنز کو کوئی معمولی جگہ نہیں ملنی چاہیے کیوں کہ اس میں اثر انگیزی کی وہ صلاحیت ہے جو شاعری کے سوا کسی اور صنف ادب میں اتنی مقدار میں نہیں پائی جاتی"۔(۱)

طنز اور حقیقت کا آپس میں گہرا تعلق ہے حقیقت کے گہرے عرفان وادراک کے بغیر طنز پیدا نہیں کیا جاسکتا اس لیے ضروری ہے کہ طنز نگار کے پاس حقیقت کا منطقی اور واضح تصور موجود ہو گویا طنز میں اعتدال و توازن اور گہری معنویت پیدا کرنے کے لیے حقیقت کا ادراک ایک بنیادی تصور ہے۔

بیسویں صدی میں پلاٹ، مکالمہ، کردار اور فضا کے امتزاج سے تخلیق ہونے والے افسانے کے مقابلے میں ایسے افسانے تخلیق کیے گئے ہیں جن میں حقیقتوں کے تہہ در تہہ بیان کے لیے علامت اور تجرید کا سہارا لیا گیا ہے۔ ان افسانوں میں کہانی کا مفہوم علامتی اور غیر واضح کرداروں کے ذریعے پیش کیا گیا۔ افسانے میں علامت کا در آنا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی بلکہ اس سے قبل لکھنے والے افسانہ نگاروں کے ہاں علامت کے استعمال کا واضح شعور ملتا ہے۔ اس ضمن میں احمد علی کا افسانہ "کمرہ" سعادت حسن منٹو کا "پھندنے" کرشن چندر کا "غالیچہ" اور ممتاز شیریں کا "میگھ ملہار" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ایک لچک دار عمل ہونے کے ناطے افسانوی ادب میں علامت کا استعمال مختلف صورتوں میں سامنے آیا کسی علامت کو موضوع اور کردار کے ذریعے بیان کیا گیا تو کہیں اساطیر اور مظاہر فطرت کے ذریعے غرض علامت کا اصل مقصد حقیقت کو پس لفظ بیان کرنا ہے علامت نگاری کے فروغ میں انتظار حسین، انور سجاد، رشید امجد، بلراج منیرا، سریندر پرکاش، خالدہ حسین، مظہر الاسلام، مشتاق قمر، عرش صدیقی، احمد یوسف، زاہدہ حنا، محمد الیاس، آصف فرخی اور جاوید احمد کا نام ناقابل فراموش ہے۔ ان تمام افسانہ نگاروں نے علامتی اور تجریدی انداز سے معاشرتی ناہمواریوں، معاشی، اخلاقی، معاشرتی، اخلاقی روایات، زمینداروں، وڈیروں اور ہر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے نام نہاد مذہبی ٹھیکے داروں پر نشتر زنی کی ہے۔ ان افسانہ نگاروں نے رمزیت کے پردے میں اصل حقائق کو بے نقاب کیا ہے۔

انتظار حسین نے علامتی اور استعاراتی انداز اپناتے ہوئے مختلف معاشرتی مسائل، انسانی ضمیر اور خواہشات کو طنزیہ انداز میں بیان کیا ہے۔ انتظار حسین نے اپنے موضوعات کی سنجیدگی کو خشکی اور یکسانیت سے بچانے کے لیے کہیں کہیں ظرافت کا استعمال بھی کیا ہے۔ مضحکہ خیزی کے پردے میں انہوں نے زندگی کی خباثتوں کو قابل برداشت بنایا ہے انتظار حسین کے افسانوں کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے زندگی کے دکھوں اور کرب سے بھری راتوں کو مزاح سے ہم رکاب کرنے کی کوشش کی ہے اس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی نظر آتے ہیں انتظار حسین کے افسانے " قیوما کی دوکان" ، "خرید و حلوابیسن کا"، "اجودھیا رہ گیا "، "شوق منزل مقصود"، "عقیلہ خالہ"، "استاد"، "روپ نگر کی سواریاں"، " محل والے"، " شہر افسوس" ، " کٹا ہوا ڈبا"، "مردہ راکھ"، " قدامت پسند لڑکی"، "ہندوستان سے ایک خط"، ' چیلیں"، "پلیٹ فارم"، " خالی گھر"، "واپس"، "شرم الحرم"، اور "زد کتا"، طنز کی نشتریت لیے ہوئے ہیں۔ ان کے مشاہدے کی باریک بینی اور وسیع المطالعہ نے ان کے طنز کو انفرادیت اور ندرت بخشی ہے۔ انتظار نے مزاح پیدا کرنے کے لیے رعایت لفظی سے کام نہیں لیا ان کے ہاں طنز کا انداز بالواسطہ ہے۔ انسانی فطرت پر طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"بھیا یہ جتنے تمہارے مولبی لوگ داڑھی رکھے پھرے ہیں سب داڑھی کی اوٹ میں شکار کھیلتے ہیں"(۲)

Vol. 5No.3 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

" ہمارے ہاں محبت کے تجربے کی عمر اتنی طویل نہیں ہو سکتی جتنی مجنوں اور فرہاد کے عہد میں تھی ان کے لیے عشق ہول ٹائم جاب تھا ہم اِسے پارٹ ٹائم ہی کر سکتے ہیں"۔(۳)

انور سجاد کے ابتدائی دور میں لکھے گئے افسانوں پر ترقی پسند تحریک کے اثرات غالب ہیں۔ لیکن بعد میں لکھے گئے افسانوں کے ذریعے بیسویں صدی کی جبریت کو طنز کا نشانہ بنایا ہے انہوں نے افسانوں میں کئی مقامات پر حکومت کے غلط اقدامات کو مضحکہ خیز انداز میں بیان کیا ہے انہوں نے بعض افسانوں کے ذریعے اخلاقی زوال کی طرف ہمیں متوجہ کر لیا ہے اور طنز کے تیروں کے ذریعے ہماری فرسودہ روایات و عادات کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ انگریزی تعلیم اور انگریزی تہذیب کا مضحکہ اڑاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ سنہرے تاروں کا جال جو تم اپنے گرد لپیٹ رہے ہو پھر کبھی نہیں کھول سکو گے تم اعلیٰ پورپی لپی طرز کے ریستورانوں اور کلبوں کے روشن دانوں کی چڑیوں کے ساتھ اس جال میں قید ناچتے رہو گے یہ لوگ تمہارے جسم میں بھوسہ بھر رہے ہیں"۔(۴)

انور سجاد کے افسانے "چوراہا"، " استعارے"، "رات کا سفر نامہ"، "عجائب گھر" اور "سیاہ جھنڈا" ان کی تیکھی شگفتہ اور منجھی ہوئی تحریریں ہیں جن میں انہوں نے ملک کی ادبی، اخلاقی، سیاسی اور سماجی صورت حال پر عمدہ چوٹیں کی ہیں۔ افسانہ "ڈولی" میں طنز کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں مزاح کی کیفیت بھی ملتی ہے۔

خالدہ حسین کے افسانوں کے موضوعات میں جس قدر تنوع ملتا ہے اسی قدر ان کے ہاں مزاح کی شگفتگی کا احساس نمایاں ہے انہوں نے علامتوں کے سہارے معاشرتی ناہمواریوں پر نہ صرف طنز کی ہے بلکہ ان کا مضحکہ بھی اڑایا ہے انہوں نے طنز و مزاح پیدا کرنے کے لیے رعایت لفظی سے خوب کام لیا ہے اور بات سے بات پیدا کرتے ہوئے مختلف مسائل کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ ان کے افسانے " زوال پسند عورت"، " گوالن"، " آدھی عورت"، "طلسم ہوشربا"، " الاؤ"، " پہچان"، " ڈیڈ لیٹر" عمدہ طنزیہ تحریریں ہیں۔ انسانی خود غرضیوں اور ہوس پرستی پر انہوں نے کئی افسانوں میں چوٹ کی ہے ان کا طنز ایک مخصوص طرح کا فلسفیانہ انداز لیے ہوئے ہے:

"ہر شخص اپنے ہوائی قلعے میں محصور ہے لاہور کی سڑکوں پر لمبی لمبی لش لش کرتی کاروں کا تانتا نہیں ٹوٹتا۔ عظیم الشان بنگلے دیکھتے دیکھتے آدمی کی گردن اکڑ جاتی ہے سرحد پار وہ دشمن جان سوئی سے ہوائی جہاز تک خود بناتا ہے تو بنایا کرے تمہارے پاس کوئی ہیوی انڈسٹری نہیں ہے لوگ سالم بکرے ضرور فریز کرتے ہیں اور چرغے اور رانیں مسلم کھاتے ہیں کیا مہمان نوازی ہوتی ہے تمہارے ہاں"۔(۵)

رشید امجد کے ہاں شگفتہ مزاح کے عناصر کم ہے ں مگر مغربی تہذیب، اس کی تقلید کرنے والوں اور بعض مقامات پر بے عمل مذہبی پیروکاروں کو انہوں نے خوب طنز کا نشانہ بنایا ہے بقول ڈاکٹر صفیہ عباد:

"معاشرتی اور سماجی زندگی کے منفی رویوں پر جس جس طور جس جس زاویہ نگاہ سے ان کی نظر پڑتی ہے اسلوب کا رنگ لب و لہجہ اور الفاظ کا انتخاب اسی حوالے سے بدلتا چلا جاتا ہے کہیں طنز ذات کے حوالے سے کہیں کسی دوسرے کردار کے توسط سے ہے معاشرتی اور اجتماعی طرز احساس کو بنیاد بنایا جاتا ہے کبھی یہ طنز ہنسی کی نذر ہو جاتا ہے کبھی یہ طنز ہی کے سپرد ہو جاتا ہے اور کہیں آہ و زاری میں بدل جاتا ہے"۔(۶)

Vol. 5No.3 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اسلوب کی سنجیدگی اور علمیت ان کی تحریروں کی نمائندہ صفت ہے۔ رشید امجد نے اپنے افسانوں میں جہاں کہیں سیاسی، معاشرتی موضوعات کو بیان کیا ہے وہاں اُن کا لہجہ طنزیہ ہو گیا ہے بعض مقامات پر طنز کی حدیں غصے اور مایوسی سے ملتی دکھائی دیتی ہیں ان کے ہاں اپنی اقدر کے بچانے کی خواہش تو موجود ہے مگر انھیں بچانے کی خاطر وہ مغربی تہذیب کو لعن طعن کا نشانہ نہیں بناتے نہ اپنے افسانوں میں وہ واعظ بنتے نظر آتے ہیں۔ رشید امجد نے طنزیہ انداز میں سماجی ناانصافیوں اور مساوات پر چوٹ کی ہے۔ ان کے افسانے "ا" کی موت پر ایک کہانی"، " بے پانی کی بارش"، "بگل والا"، "بکھری ہوئی کہانی"، " نوحہ"، " بچھڑا غم"، سناٹا بولتا ہے"، " پت جھڑ میں خود کلامی"، " بنجر لہو منظر"، " بے چہرہ آدمی"، " جلاوطن"، ' 'بادشاہ سلامت کی سواری"، " ریت پر گرفت"، "ایک عام آدمی کا خواب" اور "سمندر مجھے بلاتا ہے" تلخ و ترش انداز کی حامل تحریریں ہیں ان تمام افسانوں پر طنز کا رنگ غالب ہے بعض مقامات پر انہوں نے نام نہاد ادیبوں پر مختلف انداز میں چوٹ کی ہے۔ رشید امجد نے معاشرتی کج ادائیوں پر علامتی اور رمزی انداز میں چوٹ کی ہے۔ رشید امجد کے طنز کا دائرہ زیادہ وسیع ہے بعض مقامات پر ان کا طنز شگفتگی کی بجائے غم و غصہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ بعض مقامات پر انہوں نے تشبیہ و استعارہ کے ذریعے طنز کے حربے کو خوب نبھایا ہے۔ سرمایہ دارانہ سماج پر انہوں نے نہایت پر لطف اور دوٹوک انداز سے بات کی ہے۔ سماجی جبر پر طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ہمارے جسموں کے پیالوں میں جھوٹ اور فریب اس طرح گھل گیا ہے کہ اب ہمارے مساموں میں پسینے کی جگہ منافقت رہتی ہے۔(۷)

رشید امجد نے اپنے کرداروں کے ذریعے انسانوں کے ظاہر و باطن میں تضاد کی تصویر کشی بہت عمدہ اور طنزیہ انداز سے کی ہے۔ انہوں نے دوٹوک الفاظ میں انسان کی ہوس پرستی اور نفسی خواہشات کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ اس کی خوبصورت مثال ان کا افسانہ "گمشدہ آواز کی دستک" ہے:

"لوگ مکان کا ڈیزائن بڑی محبت اور پیسے خرچ کر کے بنواتے ہیں لیکن قبر کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا یہ معاملہ ہر شخص دوسروں پر چھوڑ دیتا ہے"۔(۸)

رشید امجد کی تحریروں میں مزاح سے کہیں زیادہ طنز کی تلخی نظر آتی ہے وہ زندگی کے کسی بھی شعبہ سے مطمئن نہیں ان کے نزدیک بحیثیت قوم ہماری سوچ، ہمارا عمل، ہماری فکر، سب زوال کا شکار ہیں جس کی وجہ سے ان کا لہجہ زہر خند محسوس ہوتا ہے:

"شہر کی درس گاہوں، گھروں اور محفلوں میں طوطے بنانے کا کام تیزی سے ہو رہا ہے۔ ریڈیو، ٹی وی، اخبار، رسالے اور درسی کتابیں سب اِسی کام میں ہاتھ بٹا رہے ہیں"۔(۹)

احمد داؤد اپنے فن و فکر کے لحاظ سے منفرد افسانہ نگار ہیں اپنے افسانوں میں انہوں نے بین الاقوامی قومی، سیاسی اور معاشی مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ انہوں نے زر پرستی اور سرمایہ دارانہ نظام کو طنز و حقارت کی نظر سے دیکھا ہے ان کے ہاں مزاح کے لیے جس بلند شگفتگی کی ضرورت ہوتی ہے اس کا فقدان ہے طنز کے لیے انہوں نے رمز اور علامت کے حربوں کو کامیابی سے نبھایا ہے۔

احمد داؤد نے اپنے عہد کے سیاسی نظام اور حکمرانوں پر اشاروں کنایوں میں گہرے وار کیے ہیں ان کے ہاں ظلم و ستم، بربریت، انسان کی ہوس پرستی کے خلاف شدید طنزیہ احتجاج ملتا ہے۔ تیزی سے بدلتی ہوئی اسلامی اقدار کو انہوں نے مضحکہ خیز انداز میں بیان کیا ہے۔ احمد داؤد کی تحریروں کو ان کے اسلوب کی روانی، بے ساختگی، طنز کی کاٹ اور مزاح کی دل آویزی خوبصورت بناتی ہے۔ احمد داؤد کے افسانے "گل گامش"، "خوشبو کا زہر"، " اپنے گھر کی کہانی"، "گرتے آسمان کا نوحہ"، "وہسکی اور پرندے کا گوشت"، گمشدہ مسافروں کی گاڑی" علامتی طنز کی عمدہ مثال ہیں۔

افسانہ "گل گامش" میں انسان کی فطری جبلت پر براہ راست طنز نہیں کرتے بلکہ علامتی طنزیہ انداز اپناتے ہوئے لکھتے ہیں:

Vol. 5No.3 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

"اخباروں میں خبریں نکلیں ایڈیٹر کے ہاں دو بچے پیدا ہوئے ایک اس کا اپنا تھا کہ پیدا ہوتے ہی اس نے باپ کو بلیک میل کرنا شروع کر دیا دوسرے کے باپ کی تلاش کے لیے اس نے اشتہار دے دیا اس دن کے اداریئے پورا ہفتہ نشر ہوتے رہے اور ساتویں دن مسجد میں خطبے کی جگہ پڑھے گئے"۔(۱۰)

"بوڑھی برگزیدہ آنکھیں"، "اوپن ایئر میں خودکشی"، ''اپنے گھر کی کہانی"، معاشرتی نظام، 'انگریزی حکومت و تہذیب، معاشرتی رسم و رواج اور قوموں کی غفلت پر عمدہ طنز ہیں ان افسانوں میں طنز کی زیریں لہر موجود ہے طنز کا انداز بلاواسطہ ہے۔"وہسکی اور پرندے کا گوشت" میں مجاہدین اور فوجیوں کے کرداروں اور طرز عمل پر فنکارانہ انداز میں طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نہتے لوگ اور گلیاں اسلحے کی نمائش کے لیے بے حد مناسب ہیں مگر پرندے۔۔"۔(۱۱)

"وہسکی، پرندوں کا گوشت، نوخیز لڑکیاں، ہمارے مجاہدین کی مرغوب غذا ہے۔ لیکن بھاگتے وقت جرابیں، جانگیے اور معشوقوں کے خط خندقوں میں چھوڑ آتے ہیں۔ تمہیں ان میں کسی چیز پر اعتراض ہے۔ مدمقابل بولا مجھے صرف اس اسی فیصد پر اعتراض ہے جو ہم اپنے زوال پر خرچ کرتے ہیں"۔(۱۲)

رشید امجد، احمد داؤد کی افسانہ نگاری کے حوالے سے رقمطراز ہیں :

"اس نے نئے افسانے کو نظریاتی چیرگی کے ساتھ ساتھ تاریخی اور ثقافتی ذائقہ سے ہم آہنگ، طنز کی تیز کاٹ، جھٹکا دیتے، چٹکیاں لیتے، جملے دبیز علامتیں متحرک امیجز اس کے بھرپور مشاہدے زیرکی اور تاریخی شعور کا پتہ دیتے ہیں"۔(۱۳)

مظہر الاسلام کی تحریریں جان دار طنز کی عمدہ مثال ہیں۔ انہوں نے دیہی سے لے کر شہری زندگی کے مختلف گوشوں اور مسائل کو افسانوں کا موضوع بنایا ہے اپنے افسانوں میں انہوں نے زیادہ تر معاشرے کے سرمایہ دار طبقہ کی مکاریوں اور عیاریوں پر عمدہ طنز کی ہے۔ عصری سماجی معاشی اور سیاسی حقائق کی طنزیہ عکاسی کے حوالے سے ان کے افسانے "مٹھی بھر لفظ"، "متروک آدمی"، "گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی"، "کلرکوں کے خواب"، "کھلونے" قابل ذکر ہیں۔ ان افسانوں میں مظہر الاسلام نے کمزور عقیدہ لوگوں کا پر لطف انداز سے مضحکہ اڑایا ہے۔

مظہر الاسلام نے طنز کے تمام حربوں کو کامیابی سے افسانوں میں نبھایا ہے۔ لیکن زیادہ تر انہوں نے رمزی اور علامتی انداز کو اپناتے ہوئے معاشرتی حقائق کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ کہیں پر ان کے طنز کا انداز براہ راست ہے اور کہیں مضحکہ خیز واقعات کے بیان سے انہوں نے تحریر کو پر لطف بنایا ہے۔

اخلاقی برائیوں پر طنز کی عمدہ مثال "لائن مین اب شہر کی شکایت کس سے کرے"، "پاگل اور شام پڑے برتن ٹوٹنے کی آواز" ہیں۔ ان افسانوں میں مصنف کا لہجہ بہت زہر خند ہے مگر مزاج کی چاشنی نے انہیں دل چسپ بھی بنا دیا ہے۔ "شہر پناہ" میں طنز کا رمزی انداز ملاحظہ فرمائیے:

"میرے شہر میں اقتدار کی بھوک نہیں تھی خوف نہیں تھا رعب دھونس اور دھاندلی نہیں تھی۔ میرے شہر میں قصائیوں کی دکانیں کم تھیں اور کتابوں کی دکانیں زیادہ تھیں، میرے شہر میں عمارتیں انسانوں کی طرح سانس لیتی تھیں"۔(۱۴)

مظہر الاسلام کے افسانوں کی بنیادی خوبی ان کا طنزیہ لہجہ ہے انہوں نے انگریزی تہذیب اور اس کی تقلید کرنے والوں پر خوب طنز کے تیر برسائے ہیں بے عمل اور نام نہاد مذہب کے نام لیواؤں، معاشرتی ناانصافی اور عورت کے استحصال کو انہوں نے جابجا طنز و تضریض کا نشانہ بنایا ہے مگر کہیں پر بھی وہ ایک واعظ کی حیثیت سے سامنے نہیں آئے بلکہ واعظ کا انداز طنز و تنقید کے ساتھ گھل مل کر سامنے آیا ہے۔

Vol. 5No.3 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

طنز اِن کے افسانوں کی خاص پہچان ہے۔ طنز کو ایک موثر آلہ کے طور پر استعمال کرتے ہوئے مظہر الاسلام نے معاشرتی ناسوروں کی جراحی کی کوشش کی ہے۔ اِن کے افسانے "پنجرہ" ، "کندھے پر کبوتر"، "سانپ گھر"، " قبرستان کے کنارے تھوڑی سی زندگی" زہر خند طنز کے مظہر ہیں۔ لطیف اور کٹیلے طنز کی مثال ملاحظہ فرمایئے:

" دوسروں کو بتایا کرتا تھا کیا خوشامد جہالت اور جھوٹ کے خلاف آواز بلند کرنا اور ان سب باتوں کے سائیڈ افیکٹس پر غور کرنا پاگل پن ہے۔۔۔ اس شہر کا دستور ہے کہ جب کوئی عدالت کے کٹہرے تک آجاتا ہے تو پھر شہر کا کوئی شخص اس کے حق میں گواہی نہیں دیتا"۔(۱۵)

مرزا حامد بیگ نے اپنے کم افسانوی سرمائے میں بھی بہت سے موضوعات کو نبھایا ہے۔ ان کے افسانوں کا مزاج مبالغے، تمسخر و استہزاء اور طنز پر مبنی نہیں ہے۔ ان کے لہجے کی تلخی ان کے افسانے "بابے نور محمدے کی کبت" ، "زندگی کی باقی رات"، "سانڈنی سوار" میں نمایاں طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ ان کے افسانوں کا اساطیری رنگ ان کی نمایاں صفت ہے۔ مزاح اِن کے ہاں نہ ہونے کے برابر ہے۔ سماجی اور معاشرتی تضادات کو اپنے تیکھے طنزیہ انداز سے نمایاں کرتے ہیں:

"اس کے سامنے ڈوبتے ہوئے نڈھال وجود تھے ہوس دنیا میں ہلکان۔۔۔ انسانی پنجر، خالی سینے، اجاڑ مکانوں کی طرح۔۔۔"۔(۱۶)

مرزا حامد بیگ کو اپنے افسانوں میں جہاں کہیں موقع ملا ہے وہاں انہوں نے مذہب کی اندھی تقلید کرنے والوں اور سرمایہ داروں کو مضحکہ خیز لیکن بامعنی بنا کر پیش کیا ہے۔ ان کے طنز میں کسی کی تضحیک یا تمسخر کا پہلو نمایاں نہیں ہے انہوں نے نہایت پر لطف انداز سے قاری کو معاشرتی و اخلاقی برائیوں کی طرف متوجہ کرایا ہے۔ رمزی انداز میں اپنے عہد کے حالات کی عکاسی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"تف ہے اس دنیا کے نظام پر کہ اپنے وقت کا جید عام اپنے مبارک ہاتھوں سے گھاس چھیل رہا ہے اور وہ جن کے سروں میں بھُس بھرا ہے حکومت کر رہے ہیں حیف صد حیف"۔(۱۷)

محمد الیاس نے علامت کے پردے میں زندگی کی تلخ حقیقتوں کو بیان کیا ہے ان کے افسانوں کے موضوعات بہت وسیع ہیں جو ان کے وسیع مطالعہ اور باریک بینی کا ثبوت ہیں۔ محمد الیاس نے جہاں کئی موضوعات کو نبھایا ہے وہاں ذات پات کے نظام اور سیاسی حالات کو خاص طور پر تضحیک و تمسخر کا نشانہ بنایا ہے ان افسانوں میں طنز کی تلخی نمایاں ہے "پانی "، "چوہڑا"، "منظر پس غبار"، "زندقہ"، "حیا"، "عظیم فلاحی مرکز"، ڈوگرہ" اور "توپ" طنزیہ لب و لہجہ لیے ہوئے ہیں۔ افسانہ "دامن میں چھید" میں انہوں نے ذات پات کے نظام، لگی بندھی روایات اور غیر ذمہ دار افراد کا تذکرہ کرتے ہوئے طنز کے کانٹے چبھوئے ہیں :

"سائیں جی! آپ تو اللہ لوگ ہیں نائی کہنے پر برا مان گئے یہ بھی تو ایک سچ ہی تھا"۔(۱۸)

"حیرت ہے میرے ٹکڑوں پر پلنے والا مصلّی کا بچہ آج مجھے ہی سُسر بنانے آگیا ہے مجھے تم جانتے نہیں۔۔۔ میں پہلے اعوان ہوں۔۔ عالم دین بعد میں"۔(۱۹)

محمد الیاس بنیادی طور پر نہ تو طنز نگار ہیں نہ ہی مزاح نگار ان کی بعض تحریریں مزاح سے بالکل عاری ہے اور نہ ہی انہوں نے اپنے افسانوں میں زبردستی مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جہاں تک طنز کا تعلق ہے تو وہ ان کی تحریروں میں موجود ہے ان کا طنز نہ تو کٹیلا ہے اور نہ ہی کڑوا بلکہ شگفتگی کا احساس سمیٹے ہوئے ہے۔ اس لیے ان کی تحریروں کو پڑھنے سے اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوتا۔

Vol. 5No.3 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

احمد جاوید کی تحریروں کو ان کے اسلوب کی روانی، لب ولہجہ، تکنیک، شعور اور طنز کے رنگوں نے دو آتشہ بنا دیا ہے۔ احمد جاوید کی ظرافت میں طنز کی نشتریت محسوس ہوتی ہے اور اسی خوبی نے اِن کے افسانوں کو انفرادیت بخشی ہے۔ احمد جاوید نے ادب زندگی، فرد اس کے ماحول سے لے کر عالمی مسائل اور حیات وکائنات کی تمام ناہمواریوں کو طنز و طعن کا نشانہ بنایا ہے۔ "پیادے"، "کولہو کے بیل"، "گشت پر نکلا ہوا سپاہی"، "دم دار ستارے"، "آکاس بیل"، 'زنجیر"، "بیمار کی رات" میں انہوں نے سیاسی حالات، ظلم وستم، سیاسی حکمرانوں کی خود غرضیوں کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ بقول ڈاکٹر فردوس انور قاضی:

"احمد جاوید کے افسانوں میں زندگی کے خواب کی تعبیر، مغرب سے درآمد شدہ افکار و نظریات، دھندلکوں میں روپوش نہیں ہے ان کے انداز تحریر میں سنجیدہ پن ہے حقیقت کی تلخی لیے اور کہیں طنز کی گہری کاٹ رکھتا ہے"۔(۲۰)

ان کے افسانوں کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علامتی افسانہ نگار ہونے کے باوجود ان کے مشاہدے کی باریک بینی نے اِن کے طنز کو ندرت عطا کی ہے۔ طنز کی کارفرمائی ان کے کم و بیش سبھی افسانوں میں ملتی ہے خاص طور پر افسانہ "چڑیا گھر" میں سماجی حقیقتوں کو بڑے لطیف طنزیہ اسلوب میں لپیٹ کر بیان کیا ہے۔ "بھیڑیے" میں مصنف نے ظلم وبربریت کا بازار سجانے اور کمزوروں کو زیر کرنے والوں پر طنزیہ انداز میں لکھا ہے:

"یہ تو آدمی کی آواز تھی۔۔۔ مگر سوال یہ تھا کہ آدمی کی آواز اس کے اندر کسے سمائی ہو سکتا ہے یہ آواز ہمیشہ اس کے اندر ہو سنائی اب دی ہو"۔(۲۱)

احمد جاوید نے طنز پیدا کرنے کے لیے موازنہ و تضاد سے کام نہیں لیا نہ ہی ان کے ہاں تشبیہ و استعارہ کے استعمال سے طنز کرنے کی کوشش ملتی ہے۔ انہوں نے بے ساختہ اور رواں انداز سے سماج کے کچھ مخصوص حقائق کو بے نقاب کیا ہے۔ سیاسی نااہل حکمرانوں پر علامتی انداز میں طنز کرنے کا انداز دیکھیے:

"یہ تو اس کتے کی کہانی تھی جسے بھیڑ بکریوں پر حکمرانی حاصل ہوئی اور اس چرواہے کی بھی جس نے بعد از خرابی بسیار یہ عبرت حاصل کی کہ بھیڑ بکریاں تو بھیڑ بکریاں ہی ہوتی ہیں انہیں ہمیشہ ایک چرواہے کی ضرورت رہی ہے مگر یہ کام کسی کتے کے سپرد نہ ہی ہو تو بہتر ہے"۔(۲۲)

آصف فرخی کے ہاں دیگر علامتی افسانہ نگاروں کی نسبت طنز کی تلخی اور شدت زیادہ ہے۔ انہوں نے کم و بیش اپنے تمام افسانوں میں مختلف شعبہ ہائے زندگی میں پلنے والی منافقتوں اور ریاکاری کو زہر خند لہجے میں بیان کیا ہے۔ ان کے افسانوں کا زیادہ تر موضوع کراچی کی بگڑتی ہوئی صورتحال اور سیاسی مسائل ہیں۔ مصنف کے نزدیک حکمرانوں کی ذاتی اغراض اور عدم دلچسپی کی وجہ سے شہر کی رونقیں اندھیروں میں بدل گئی ہیں۔ اس لیے مصنف نے جہاں جہاں کراچی کے حالات کا تذکرہ کیا ہے وہاں ان کا لہجہ انتہائی زہر خند ہو گیا ہے۔

اس حوالے سے " پرندے کی فریاد"، "سمندر کی پجاری"، " حتمی سفارشات"، "ویلنٹائن"، " مائی کولاچی"، "دیمک" خاص کر قابل ذکر ہیں۔ ان تمام افسانوں میں طنز کی لہر محسوس ہوتی ہے۔ افسانہ "نانو ہاؤس" میں مزاح کی حدیں مضحکہ خیزی سے ملتی نظر آتی ہیں۔ مجموعی طور پر اِن کے ہاں طنز مزاح پر غالب ہے:

"لہٰذا اب میں اپنا ایوارڈ جاری کرتا ہوں
کہ سندھ تقسیم کر کے
کراچی کو ٹکڑے کر کے
کلفٹن کو ایک الگ صوبے کا درجہ دے دیا جائے
جو رفتہ رفتہ
بے اختیاری سے۔۔۔ مملکت خداداد بے داد میں تبدیل ہو جائے

Vol. 5No.3 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

تقسیم کی بنیاد بہت واضح ہے۔۔۔
یہاں ہندو، مسلم، شیعہ، سنی کی نہیں
فرقہ واری تقسیم اس بنیاد پر ہو گی
کہ ایک وہ ہیں جو ہارڈ راک کو پسند کرتے ہیں
دوسرے وہ جو جاز پر فدا ہیں"۔(۲۳)

اپنی کہانیوں کے ذریعے نہ ہی انہوں نے کسی کا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی ہے اور نہ ہی تضحیک ان کا مقصد ہے علامتی افسانہ نگار ہونے کی حیثیت سے ان کے ہاں طنز افسانوں میں زیریں سطح پر موجود ہے مصنف کے بعض افسانوں میں اس بات کا احساس بھی ہوتا ہے کہ ان کے ہاں طنز کا مقصد اصلاحی ہے جس طرح وہ طنزیہ انداز میں کراچی شہر کے حالات و معمولات پر توجہ کرتے نظر آتے ہیں وہاں ان کا لہجہ زہر خند کٹیلا اور تلخ ہو جانا یقینی بات ہے شعوری طور پر مصنف کے ہاں طنزیا مزاح پیدا کرنے کی کوشش نہیں ملتی۔ انتہائی لطیف انداز سے انہوں نے زندگی کی تلخیوں کو قابل برداشت بنایا ہے اور یہی ان کے طنز کی نمایاں خوبی ہے۔

زاہدہ حنا اپنے عہد کی باشعور لکھاری ہیں انہوں نے اپنے عہد کے ان تمام مسائل کو کہانی کا موضوع بنایا ہے جن کی بنیاد معاشرتی ناانصافی اور عورت کے استحصال پر ہے۔ زاہدہ حنا نے تہذیبی، تاریخی، معاشی، سیاسی اور نسلی برتری پر مبنی تضادات کو نہ صرف موضوع بنایا بلکہ ان کو ہدف تنقید بھی بنایا مصنفہ ان تمام مسلمانوں سے ہمدردی رکھتی ہیں جن کا استحصال کیا جاتا ہے شاید یہی وجہ ہے کہ ان کی کہانیوں کے موضوعات علامتی رنگ لیے ہوئے مخصوص طبقے کے گرد گھومتے ہیں۔ "کم کم بہت آرام سے ہے"، "رقص مقابر"، "نیند کا زرد لباس"، "تنہائی کا چاہ بابل"، "تتلیاں ڈھونڈنے والی"، "منزل ہے کہاں تیری"، " رنگ تمام خون شدہ"، " آخری بوند کی خوشبو"، "جاگے ہیں خواب میں"، "پانیوں میں سراب" ایسی کہانیاں ہیں جو علامتی طنزیہ انداز لیے ہوئے ہیں۔ زاہدہ حنا شگفتہ اسلوب کی مالک افسانہ نگار ہیں اور یہ شگفتگی ان کے طنز کی چبھن کو کم کرتی نظر آتی ہے۔ معاشرتی ناسوروں پر انہوں نے جہاں جہاں تنقید کی ہے وہاں طنز پوری شدت سے نمایاں ہوتا ہے۔ مزاح ان کے ہاں بالکل نہیں لیکن طنز کی تلخی اور افسانوی رنگ ساتھ ساتھ سفر کرتے ہیں۔ مصنفہ نے دیگر پہلوؤں کے علاوہ طالبان کو خاص طور پر تنقید و طنز کا نشانہ بنایا ہے جن کی وجہ سے افغانستان میں بسنے والے مسلمانوں کی زندگی دکھوں سے عبارت ہوتی جا رہی ہے:

"جنھوں نے اپنے جیتے جاگتے لوگ اپنی پوری نسل خود اپنے ہاتھوں سے تباہ کر دی ان سے اس بات کی کیا شکایت کہ انہوں نے مہاتما بدھ کی وہ مورتیاں ڈائنامائیٹ سے توپ کے گولوں سے کیوں توڑ دیں"۔(۲۴)

"جنھیں کسی دادی اور نانی نے کہانیاں نہ سنائی ہوں جن کے لیے کسی ماں نے کچوریاں نہ تلی ہوں اور ملیدہ نہ بنایا ہو وہ بڑے ہو کر تو پھر دوسروں کا گلا گھونٹتے پھریں گے"۔(۲۵)

زاہدہ حنا نے سپر پاور طاقتوں پر زبردست طنز کی ہے جو غریب ممالک کو امداد دے کر انھیں اپنا غلام بنانا چاہتی ہیں سماجی اور تمدنی روایات کے بدلنے پر نہ صرف مصنفہ نے افسوس کا اظہار کیا ہے بلکہ اس موقع پر ان کا طنز تلخ اور براہ راست ہو جاتا ہے مثال کے طور پر ان کے افسانہ "رقص بسمل" پیش کیا جا سکتا ہے جہاں مصنفہ نے اخلاقی اور تمدنی روایات کے بدلنے پر طنز کے نشتر چلائے ہیں۔ مصنفہ کے طنز کی کاٹ بہت گہری اور تیز ہے۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں لطافت کے رنگ بھرنے کی شعوری کوشش نہیں کی بلکہ ان کے اندر کے غم و غصہ اور جھنجھلاہٹ نے ان کے لہجے میں تلخی بھر دی ہے:

"ہم نہیں جانتے تھے کہ امریکی بچے بارودی تتلیوں سے کھیلتے ہیں یہ تو بعد میں بابا نے بتایا کہ یہ تتلیاں خاص طور پر ہمارے لیے بنی تھیں سنا ہے آپ جہاں اپنے بچوں کے لیے کھلونے بناتے ہیں تو ان کے ڈبوں پر ان

Vol. 5No.3 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

سے کھیلنے والے بچوں کی عمر بھی لکھ دیتے ہیں لیکن آپ نے ہمارے لیے ایسے کھلونے کیوں بھجوائے تھے جو
ہماری جان لے لیں جو ان کی ہتھیلیاں اور ان کے پیر ساتھ لے جائیں"۔(۲۶)

طنز و مزاح کا چولی دامن کا ساتھ ہے طنز مزاح کی آمیزش کے بغیر دشنام و طعنہ زنی بن جاتا ہے۔ رومانوی افسانے میں طنز و مزاح کا عمدہ استعمال افسانہ نگاروں کے ہاں ملتا ہے ان افسانہ نگاروں کے ہاں ایک من پسند تخیلاتی اور طلسماتی دنیا کا تصور پایا جاتا ہے اس لیے طنز کی تلخی اور زہر ناکی کا احساس ان کے ہاں نمایاں نہیں ہے۔ رومانوی افسانہ نگاروں نے لطیف پیرائے میں معاسرتی ناہمواریوں کو طنز کا نشانہ بنایا ہے لیکن ترقی پسند افسانہ نگاروں کے ہاں طنز کی تلخی اور شدت بہت زیادہ ہے۔ ان کے ہاں جھنجھلاہٹ اور غم و غصے کا رجحان زیادہ ملتا ہے۔ ترقی پسند افسانہ نگاروں نے رمزی انداز میں قدامت پرستی مذہبی اور سماجی برائیوں پر چوٹ کی ہے۔ ان کے برعکس علامتی افسانہ نگاروں نے طنز کے ہلکے پھلکے لطیف پرائے کو اپنایا ہے۔ ترقی پسند افسانہ نگاروں کی طرح ان افسانہ نگاروں نے بھی سماجی، مذہبی، اخلاقی اقدار کے خلاف احتجاج کیا ہے جس میں طنز کا عنصر پایا جاتا ہے مگر ان کے ہاں طنز کا معیار گالی گلوچ کی حدود میں داخل نہیں ہوتا۔ علامتی افسانہ نگاروں نے علامتی انداز سے معاشرتی اونچ نیچ استحصالی نظام، طبقاتی نظام، سیاسی حکمرانوں، ان کی ذاتی اغراض اور سماج کے بدلتے معیارات پر تنقید کی ہے لیکن طنز کی زہر ناکی کا احساس نمایاں نہیں ہے۔

علامتی افسانہ نگاروں نے شعوری طور پر طنز کے حربوں کا استعمال نہیں کیا اور نہ ہی مزاح کے عناصر کو زبردستی افسانوں میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ ان مصنفین کے ہاں جہاں جہاں طنز موجود ہے وہ غیر شعوری طور پر کہانی میں در آیا ہے۔ علامتی افسانے میں طنز کا بے رحم استعمال نہیں ملتا۔ مظہر الاسلام کے ہاں طنز کی تلخی اور زہر ناکی کا احساس نمایاں ہے باقی افسانہ نگاروں نے طنز کی تندی اور تلخی کو قابل برداشت بنانے کے لیے مزاح سے کام لیا ہے۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو علامتی افسانے میں طنز کی تلخی زہر ناکی اور مزاح کی ہلکی پھلکی چاشنی بدرجہ اتم موجود ہے۔

## حوالہ جات


۱۔ احتشام حسین، سید، تنقید اور عملی تنقید، لکھنو: اتر پردیش اردو اکادمی، ۲۰۰۵ء، ص:۳۷
۲۔ انتظار حسین، قیوما کی دوکان، مشمولہ مجموعہ انتظار حسین، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص:۱۹
۳۔ انتظار حسین، ۳۱۔مارچ مشمولہ، مجموعہ انتظار حسین، ص:۶۳۸
۴۔ انور سجاد، ڈاکٹر، پیپل سے محبت کے ساتھ، مشمولہ مجموعہ انور سجاد، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ص:۱۳۰
۵۔ خالدہ حسین، مایا، مشمولہ، مجموعہ خالدہ حسین، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص:۸۶
۶۔ صفیہ عباد، رشید امجد کے افسانوں کا فنی و فکری مطالعہ، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۷ء، ص:۹۶
۷۔ رشید امجد، درمیان میں کھڑے لوگ، مشمولہ، دشت نظر سے آگے، (کلیات)، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۱ء، ص:۱۹۰
۸۔ رشید امجد، گمشدہ آواز کی دستک، مشمولہ، دشت نظر سے آگے (کلیات)، ص:۳۴۷
۹۔ رشید امجد، دِل زندہ ہے، مشمولہ دشت نظر سے آگے (کلیات)، ص:۸۰۵
۱۰۔ احمد داؤد، گل گامش، مشمولہ، دشمن دار آدمی، راولپنڈی: ندیم پبلی کیشنز، طبع اول، ۱۹۸۳ء، ص:۶۵
۱۱۔ احمد داؤد، وہسکی اور پرندے کا گوشت، مشمولہ، مفتوح ہوائیں، راولپنڈی: دستاویز پبلشرز، طبع اول، ۱۹۸۰ء، ص:۹۳

Vol. 5No.3 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

۱۲۔ ایضاً، ص:۹۴

۱۳۔ رشید امجد، (فلیپ نگار)، مشمولہ، دشمن دار آدمی، راولپنڈی: ندیم پبلی کیشنز، ۱۹۸۳ء

۱۴۔ مظہر الاسلام، شہر پناہ، مشمولہ، باتوں کی بارش میں بھیگتی لڑکی، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۷ء، ص:۱۲۵

۱۵۔ مظہر الاسلام، پنجرہ، مشمولہ، باتوں کی بارش میں بھیگتی لڑکی، ص:۵۰۔۵۱

۱۶۔ حامد بیگ مرزا، ایک خاکی کا معراج نامہ، مشمولہ، تار پر چلنے والی، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص:۲۷

۱۷۔ حامد بیگ، مرزا، سانڈنی سوار، مشمولہ، گناہ کی مزدوری، اسلام آباد: ابلاغ، ۱۹۹۱ء ص:۵۱

۱۸۔ محمد الیاس، دامن میں چھید، مشمولہ، لوح ازل پر لکھی کہانیاں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص:۱۲۸

۱۹۔ محمد الیاس، فتویٰ، مشمولہ، مور پنکھ پر لکھی آنکھیں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص:۳۰

۲۰۔ فردوس انور قاضی، ڈاکٹر، اردو افسانہ نگاری کے رجحانات، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۰ء، ص:۵۷۸

۲۱۔ احمد جاوید، بھیڑیے، مشمولہ، افسانہ (مجموعہ)، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۴ء، ص:۱۴۴

۲۲۔ احمد جاوید، بھیڑ بکری، مشمولہ، افسانے (مجموعہ)، ص:۱۶۳

۲۳۔ آصف فرخی، حتمی سفارشات، مشمولہ، میرے دن گزر رہے ہیں، کراچی: شہر زاد پبلشرز، ۲۰۰۹ء، ص:۱۰

۲۴۔ زاہدہ حنا، کُم کُم بہت آرام سے ہے، مشمولہ، رقصِ بسمل، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص:۲۵۵

۲۵۔ ایضاً، ص:۲۵۷

۲۶۔ زاہدہ حنا، نیند کا زرد لباس، مشمولہ، رقصِ بسمل، ص:۵۶